DOI: https://doi.org/10.52541/fn.v59i2.1579

بیاضِ اقبال کے تراجم کا توضیحی مطالعہ
(ہندوستان کے قابلِ قدر اقبال شناس پروفیسر عبدالحق کے حوالے سے خصوصی مطالعہ)

محمد عامر اقبال*

An Explanatory Study of Iqbal's *Stray Reflections* with Special Reference to 'Abd al-Ḥaqq's Translation

Muhammad Amir Iqbal*

ABSTRACT

Allama Muhammad Iqbal kept a notebook in which he used to write brief notes on a variety of subjects. He titled this notebook *Stray Reflections.* First published in 1961 with an introduction by his son Javed Iqbal, the notebook has been translated several times into Urdu. These include translations by Iftikhār Aḥmad Ṣiddīqī, Miyāṇ Sājid 'Alī and 'Abd al-Ḥaqq. 'Abd al-Ḥaqq, the professor emeritus at Delhi University, is one of the most prominent names in the Iqbal studies. Apart from the translation of Iqbal's notebook, he has published several volumes on different aspects of Iqbal's thought. This article introduces all the above-mentioned translations of

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونی ورسٹی آف سیال کوٹ، پنجاب، پاکستان۔(amir.iqbal@uskt.edu.pk)

* Assistant Professor, Department of Urdu, University of Sialkot, Sialkot, Pakistan. (amirmphil69@gmail.com)

Stray Reflections while focusing on the prominent features of the translation of ʻAbd al-Ḥaqq.

Keywords

Iqbal, ʻAbd al-Ḥaqq, Islamic philosophy, *Stray Reflections.*

Summary of the Article

Professor ʻAbd al-Ḥaqq, the professor emeritus at Delhi University, is a respected figure of Urdu language in India. He is also one of the most prominent names in the Iqbal studies. He has forty years of teaching experience and is serving as the Vice Chairman of Iqbal Academy of India. Besides his critically acclaimed works on Iqbal's thought, ʻAbd al-Ḥaqq has also translated the notebook of Iqbal, *Stray Reflections.*

Allama Muhammad Iqbal kept a notebook in which he used to write brief notes on a variety of subjects. He initially named it *Stray Thoughts* but later changed the title of the notebook to *Stray Reflections.* The diary was first published in 1961 along with an introduction by Iqbal's son Javed Iqbal. A glance at the entries of *Stray Reflection* reveals the state of Iqbal's mind through the different periods of his life in which he was writing these brief notes in his notebook. The ideas, though scattered, give a glimpse of the flow of Iqbal's thoughts. The ideas presented in the diary were not written down under any

specific plan, so there is no specific relation between these ideas.

Iqbal stayed in Europe for a short period of time. During this time, the atmosphere of Europe greatly impacted his mind. After his return, there was a clear change in his mind. During this period, he contemplated the mysteries of the evolution of the individual along with the evolution of the nation. He provided the intellectual foundations on which the future politics was based and the buildings of philosophy and selflessness were built.

Ever since the first publication of *Stray Reflections,* there has been an urge to understand the intellectual content of Iqbal's notebook. Naturally, there have been several translations of *Stray Reflections* in Urdu. These include translations by Iftikhār Aḥmad Ṣiddīqī, Miyāṇ Sājid 'Alī and 'Abd al-Ḥaqq. Iftikhār Aḥmad Ṣiddīqī's translation of *Stray Reflections* is titled *Shadhrāt-i Fikr-i Iqbāl.* The title of Miyāṇ Sājid 'Alī's translation is *Muntashar Khayalat-i Iqbāl*, while 'Abd al-Ḥaqq's translation has been published under the title *Bikhrē Khayalāt.* This article introduces all the above-mentioned translations of *Stray Reflections* while focusing on the prominent features of the translation of 'Abd al-Ḥaqq.

So far, several editions of 'Abd al-Ḥaqq's translation have come to light. The first edition came out in 1975 and the latest edition was published in 2015 with some additions

of newly discovered brief notes of Iqbal. The translator has also given the English text of Iqbal's notes along with his translation of it. 'Abd al-Ḥaqq's translation of Iqbal's notebook is marked by clarity and lucidity which distinguishes it from the other translations of *Stray Reflections.*

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

تلخیص

بیاض میں زندگی کے ذاتی واقعات کو محفوظ کیا جاتا ہے، مگر اس سے شخصیت کے افکار پر بھی روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔اقبال کی تحریریں مفکرین، ماہرین اور مدبرین کا تحقیقی اور توضیحی موضوع رہا ہے۔بیاضِ اقبال بھی انھی میں سے ایک ہے۔اقبال کی زندگی کا ہر پہلو ہمارے سامنے ہے۔اقبال خود بھی اپنی سر گذشت لکھنا چاہتے تھے، مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا۔اس تحقیقی مضمون میں اقبال کی ڈائری کو موضوع بنایا گیا ہے۔ تخلیقی ادبیات میں کوئی بھی اقبال کا ثانی نہیں۔ آپ کی ڈائری میں بے مثال علمی، ادبی، فلسفیانہ، مذہبی، اور سیاسی پہلوؤں پر نگاہ ڈالی جاسکتی ہے۔بیاضِ اقبال دراصل فکر کا ایک سیلِ رواں ہے۔اس سے اقبال کے روح و نظر کو تازگی میسر آئی۔اقبال نے معاشرے کے لیے جو بہتر محسوس کیا وہ بیاض میں قلم بند کر لیا۔اقبال کی ڈائری کے ترجمے سے ان کی شخصیت کے دل کش اور دل نشین نئے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔پروفیسر عبدالحق نے شدید محنت کرتے ہوئے اس کا ترجمہ کیا۔اس سے پہلے بھی افتخار احمد صدیقی اور بعد ازاں میاں ساجد علی اپنے ترجمے کا ہنر آزما چکے ہیں۔پروفیسر عبدالحق نے تحقیق و توضیح سے کام لے کر نئے اندراجات کا اضافہ کیا۔آپ کی تنقیدی رائے کے مطابق اقبال ارتقائی سوچ کے مالک تھے۔آپ نے اقبال کی جستجو، ذہنی ہم آہنگی اور انقلابی تفکر کے پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔آپ کا کیا گیا ترجمہ دل جمعی اور شوق سے پڑھا گیا۔بیاضِ اقبال کے ترجمے کا مطالعہ اعلیٰ ذہنیت اور غیر معمولی قابلیت کا طلب گار ہے۔اقبالیات کے طلبہ اس میں فکرِ اقبال کے پوشیدہ گوشوں کے روشن افق تلاش کریں گے جو اقبالیات کے ذخیرے میں اضافے کا باعث ثابت ہو گا۔

بیاضِ اقبال کا توضیحی مطالعہ

پروفیسر عبدالحق ہندوستان میں اردو کا ایک معتبر نام ہے۔اقبال سے انھیں خاص دل چسپی ہے۔۱۹۶۵ء میں ''اقبالیات کا تنقیدی مطالعہ'' کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔اب تک اقبالیات سے متعلق ان کی

بہت سی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ اردو ادب، تراجم اور اقبالیات کے حوالے سے اب تک ان کی تقریباً چالیس کتب شائع ہو چکی ہیں۔ آپ چالیس سال کا تدریسی تجربہ رکھتے ہیں۔ دہلی یونی ورسٹی میں پروفیسر ایمرطس کی عہدے پر فائز ہیں۔ کشمیر یونی ورسٹی اور جواہر لعل نہرو یونی ورسٹی میں وزٹینگ پروفیسر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ انھیں متعدد اعزازات بھی مل چکے ہیں۔ آپ انڈیا کی اقبال اکیڈمی کے وائس چیئرمین ہیں اور اکیڈمی کے مجلے **میرا پیام** کے مدیر ہیں۔ آپ نے اقبال کی بیاض پر تنقیدی اور تحقیقی کام سرانجام دیا۔ اس بیاض کا مطالعہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔

"بیاض" یادداشتوں کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ اس میں پرانے متن محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ متن شاعرانہ بھی ہوتے ہیں اور نثر کی شکل میں بھی۔ کوئی بھی شخص اس میں اپنی یادداشتیں محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اسے ڈائری کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہ ہر ایک کی ذاتی چیز ہوا کرتی ہے، کیوں کہ لکھنے والا اس میں اپنی زندگی کے انتہائی ذاتی واقعات بھی محفوظ کر سکتا ہے۔ کسی مفکر کی بیاض سے اس کے افکار کی وسعت کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔ کچھ ڈائریاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو لکھنے والے کی ذہنی کیفیت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اس کے مطالعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ لکھنے والا اس وقت کس ذہنی کرب کا شکار تھا۔ بعض اوقات تو یہ بات پوشیدہ رہتی ہے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ چیز آخر کار سامنے آجاتی ہے۔ بیاض پر درج کردہ شعر، جملہ یا مضمون جو بھی چیز ہو، پڑھنے والے پر لکھنے والے کی ذہنی کیفیت عیاں کر دیتی ہے۔ بیاض کی اہمیت کا سب سے ضروری پہلو یہ ہے کہ اس غیر معروف اور پوشیدہ بات کو سامنے لا کر کسی بھی مفکر کی شخصیت کو مزید پروان چڑھایا جائے۔ بیاضوں کی افادیت کو کسی بھی طرح رد نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ڈائریاں ہی ہیں جو قدیم مفکرین کو شہرت کے عروج تک پہنچا چکی ہیں۔

پاکستان اور ہندوستان میں اداروں کے تحت اور جامعات میں سندی تحقیقی مقالات کے ذریعے فکرِ اقبال کو پروان چڑھانے کا کام جاری ہے۔ فکرِ اقبال کی تبلیغ، تفسیر و تعبیر کے لیے کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ اقبال کے اپنے ذہن میں بھی فکر و فلسفہ کا تلاطم تھا۔ ان کے ذہن میں بھی آیا ہوگا کہ کبھی اپنی زندگی کی سرگذشت لکھیں۔ کبھی وہ زندگی کی سرگذشت کو اہمیت دیتے تو کبھی فکر و فلسفہ کو سرگذشت سے زیادہ اہم سمجھتے۔ چند خطوط سے ایسے اشارے ملتے بھی ہیں۔ ۱۰/اکتوبر ۱۹۱۹ء کو سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

> میں اپنے دل و دماغ کی سرگذشت بھی مختصر طور پر لکھنا چاہتا ہوں اور یہ سرگذشت کلام پر روشنی ڈالنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جو خیالات اس وقت میرے کلام اور افکار کے متعلق لوگوں کے دلوں میں ہیں اس تحریر

سے ان میں بہت انقلاب پیدا ہو گا۔ (۱)

اسے دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید اقبال اپنی زندگی کی کہانی لکھ کر یادگار چھوڑنا چاہتے تھے مگر ساتھ ہی وہ سمجھتے تھے کہ صرف غیر معمولی واقعات ہی سبق آموز ہوتے ہیں اور ان کی زندگی میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے۔ اس حوالے سے وہ کچھ لکھنے کے متمنی ضرور تھے مگر اس کی فرصت میسر نہ آسکی۔ وحید احمد مسعود بدایونی کے نام ۲۸ نومبر ۱۹۱۹ء کو لکھتے ہیں:

میری زندگی میں کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں جو اوروں کے لیے سبق آموز ہو سکے۔ ہاں خیالات کا تدریجی انقلاب البتہ سبق آموز ہو سکتا ہے۔ اگر کبھی فرصت ہو گئی تو لکھوں گا۔ (۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبال اپنی زندگی کی کہانی لکھنا اور اپنے حالات و واقعات کو محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ زندگی کے جن مرحلوں سے گزرے، انھیں کسی نہ کسی انداز میں محفوظ کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ وحید احمد مسعود بدایونی کے نام ۷ر ستمبر ۱۹۲۱ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

یہ ایک طویل داستان ہے۔ کبھی فرصت ہوئی تو اپنے قلب کی تمام سرگذشت قلم بند کروں گا۔ جس سے مجھے یقین ہے، بہت لوگوں کو فائدہ ہو گا۔ (۳)

اقبال جو کچھ لکھنا چاہتے تھے کیا وہ لکھ سکے؟ جس قسم کی یادداشت لکھنے کا ذکر سابقہ خطوط میں کیا ہے اور جو اظہار کیا ہے ویسی کوئی باضابطہ ڈائری اقبال نے نہیں لکھی۔ خاص قسم کی یہ ایک ڈائری ڈاکٹر جاوید اقبال کی کاوشوں سے ۱۹۶۱ میں منظر عام پر آئی۔ رفیع الدین ہاشمی اس ڈائری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

چھوٹی تقطیع کی اس بیاض میں کل ایک سو اندراجات ہیں۔ سرورق کے عکس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اقبال نے اس کا نام Stray Thoughts تحریر کیا تھا بعد میں Thoughts کو Reflections میں تبدیل کر دیا۔ آغاز ۷ر اپریل ۱۹۱۰ء کو ہوا اور تمام اندراجات اسی برس ضبط تحریر میں آئے۔ (۴)

اس بیاض میں موجود تحریروں میں اقبال کے افکار کا عکس عیاں ہے۔ اقبال کے مبہم افکار کی شرح کے لیے حوالہ بھی ان شذرات ہی سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان شذرات سے ذہن اقبال کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان شذرات کو صاف اور واضح تحریر کی شکل میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ شذرات اقبال کی فکری اور

۱۔ اقبال، **کلیات مکاتیب اقبال**، مرتبہ، سید مظفر حسین برنی، خط بنام سید سلیمان ندوی (دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۳ء)، ۲: ۱۴۰۔

۲۔ نفس مصدر، ۲: ۱۵۴۔

۳۔ نفس مصدر، ۲: ۲۷۱۔

۴۔ رفیع الدین ہاشمی، **تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ** (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۱ء)، ۱۸۰۔

ذہنی سرگذشت کا اہم ترین ماخذ ہیں۔ یہ اس دور کی بات ہے جب اقبال جذباتی طور پر شدید قسم کے ہیجان کا شکار تھے۔ اپریل ۱۹۱۰ء اور اس سے کچھ پہلے یورپ سے واپسی کے بعد کا دور ذرا کٹھن تھا۔ اس دور کا قصہ کئی جگہ لکھا جاچکا ہے اور پھر اس کے بعد عطیہ فیضی کے نام خطوط کا قصہ بھی سامنے آتا ہے۔ ڈائری میں جس طرح کے موضوعات پر اقبال نے گفت گو کی ہے وہ انتہائی عالمانہ اور فاضلانہ ہیں۔ ان میں اس بات کا شائبہ تک بھی نہیں ہوتا کہ یہ باتیں لکھنے والا کسی ذہنی کرب کا شکار ہے یا پھر کسی کے غم میں گھلا جارہا ہے۔ اقبال نے انتہائی مختصر انداز سے اس بیاض میں عنوانات کو سمیٹا ہے کہ پڑھنے والا علم و ادب کی دنیا میں کھو جاتا ہے۔ ۱۹۶۱ء میں ڈاکٹر جاوید اقبال کی کاوشوں سے یہ بیاض سامنے آئی تو اس کے ترجمے کی طرف توجہ دی گئی۔

"شذرات فکر اقبال" اقبال کی بیاض کا پہلا ترجمہ ہے جو منظرِ عام پر آیا۔ مجلس ترقی ادب کلب روڈ، لاہور نے علامہ اقبال کی ولادت کے جشن صد سالہ کی مناسبت سے ۲۹/ دسمبر ۱۹۷۳ء کو یہ ترجمہ شائع کیا۔ مرتب ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال تھے۔ مترجم ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اس بیاض کو اقبال کے ۱۹۱۰ء کے درمیانی چندماہ کے منتشر نظریات کا مجموعہ قرار دیا اور قارئین کے لیے قابل توجہ، جاذب نظر اور نصیحت افروز قرار دیا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کی محنتوں سے اقبال کی بیاض میں شامل افکار کو "شذرات فکر اقبال" کا نام ملا اور ترجمے سے اقبالیاتی ادب میں اضافہ ہوا۔ اقبال کی دیگر تصانیف کا اردو، انگریزی اور فارسی وغیرہ میں ترجمہ کیا گیا، اس لیے یہ ضرورت بھی محسوس کی گئی کہ اس کا بھی ترجمہ ہونا چاہیے۔ اس طرح ترجمے کا کام مکمل ہوا۔ مترجم نے اس ترجمے کے لیے بہت اچھا مقدمہ لکھا۔ مقدمے میں مرتب کی تعریف کرتے ہوئے مترجم ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے لکھا ہے:

> بیاض کی ان منتشر تحریروں کے متنوع موضوعات اور نوبہ نو افکار کا جائزہ لیجیے تو بقول مرتب اقبال کے ذہن کی توانائی، ہمہ گیری اور اخلاقی کی جھلک نظر آئے گی۔ (۵)

اقبال متجسس ذہن کے مالک تھے اور مختلف زاویوں سے گرد و پیش کا مشاہدہ کرتے تھے۔ اقبال کا ذہن کسی نئے اور انفرادی خیال کی سوچ میں مگن رہتا تھا۔ یہ خیالات بکھرے بکھرے ہی سہی مگر ان سے فکرِ اقبال کی لہروں کے بہاؤ کا رخ بھی جانچا جاسکتا ہے۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال اپنی پی۔ ایچ۔ ڈی کے سلسلے میں یورپ میں مقیم رہے۔ اس دوران میں وہاں کی فضا اور وہاں کے فکر و فلسفہ نے اقبال کے ذہن کو بہت متاثر کیا۔ واپسی کے بعد ان میں واضح طور پر تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ آئندہ چند سالوں میں اقبال نے چند نظمیں لکھیں اور کچھ مختصر سی تحریریں بھی۔

۵۔ اقبال، **شذرات فکر اقبال**، مرتبہ، جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال، مترجم، ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳ء)، ۲۔

کچھ رومانی نظمیں بھی اس دور کی یادگار ہیں اور عطیہ فیضی کے نام خطوط بھی۔ یہ سارا دور اقبال کی زندگی میں ہیجان کا دور کہلاتا ہے۔ مگر ایسا نہیں کہ جذباتی کہہ کر اس دور کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اس دور میں اقبال کی طویل نظمیں انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں پڑھی گئیں۔ بین الاقوامی اور گرد و پیش کے حالات کے حوالے سے اقبال کی دل چسپی اور ہندوستان کے معاملات کے حوالے سے اقبال کی گہری وابستگی اس دور کو اہم بناتی ہے۔ یہاں صرف اقبال کی بیاض کے حوالے سے بات کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہی دور اقبال کے ذہنی ارتقا کا اہم ترین دور ہے۔ "شذرات فکر اقبال" کے مقدمے میں ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> اس دور میں اقبال نے ارتقائے فرد اور ارتقائے قوم کے اسرار و رموز پر غور کیا اور وہ فکری بنیادیں فراہم کیں جن پر آئندہ سیاست ملی اور فلسفۂ خودی و بے خودی کی عمارتیں استوار ہوئیں۔ (۶)

اس بیاض کا تعارف ڈاکٹر جاوید اقبال نے پیش کیا تھا۔ ترجمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے کیا ہے۔ اس بیاض میں شامل اقبال کے افکار کا اسلوب بہت ہی سادہ، دوٹوک اور پرزور ہے۔ اقبال نے مختصر انداز میں بات ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس بیاض میں شامل افکار کو کسی خاص منصوبہ بندی کے تحت قلم بند نہیں کیا گیا اس لیے ان افکار میں کوئی خاص ربط بھی نہیں ہے؛ اس لیے ڈاکٹر جاوید اقبال کہتے ہیں:

> اس بیاض میں جو خیالات ظاہر کیے گئے ہیں ان میں کوئی ربط و تسلسل نہ ملے گا؛ کیوں کہ انھیں کسی مقررہ منصوبے کے مطابق قلم بند نہیں کیا گیا۔ تاہم یہ تحریریں شاعر پر اثر انداز ہونے والے بہت سے عوامل و افکار کے فوری اور حساس رد عمل کی عکاسی کرتی ہیں اور اس کے کردار کی پیچیدگی کو کسی حد تک سمجھنے میں ہمیں ان سے مدد ملتی ہے۔ (۷)

اس بیاض کے بعد کی شاعری، نثر اور فلسفے کے نقوش کی جھلک بھی اس بیاض سے ملتی ہے۔ بیاض کے اس ترجمے سے بات ختم نہیں ہوتی۔ اقبال کے حوالے سے جتنا لکھا جا چکا ہے کسی دوسرے شاعر کے مقابلے میں یہ سب سے زیادہ ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اقبال نے اپنے دور کے مسائل سے عہدہ برا ہونے کے لیے ہندوستانی قوم کو بیدار کیا۔ انگریز کے خلاف ہندوستانی قوم کے دلوں میں ولولۂ تازہ عطا کیا۔ اس بیاض نے بھی ترجمے کے بعد اقبالیات کے مطالعے میں اضافے کا رجحان بڑھایا۔ لوگ ترجمے کی طرف راغب ہوئے۔ اس سے پہلے کہ پروفیسر عبدالحق کے ترجمے **بکھرے خیالات** پر گفت گو کی جائے، ایک اور ترجمے پر نظر ڈالتے ہیں جس کے مترجم میاں ساجد علی ہیں۔ آپ نے علامہ اقبال کی انگریزی بیاض کا اردو ترجمہ **منتشر خیالاتِ اقبال** کے عنوان سے کیا ہے۔ اس کی پہلی اشاعت نومبر ۲۰۱۵ء میں علامہ اقبال سٹمپ سوسائٹی کے تحت ہوئی اور دوسرا ایڈیشن مارچ ۲۰۱۶ء میں

۶۔ نفسِ مصدر، ۳۔

۷۔ نفسِ مصدر، ۳۴۔

بک کارنر جہلم نے شائع کیا۔ "پیش گفتار" میں پروفیسر سید امیر کھوکر نے ترجمے کی کچھ مثالیں دی ہیں اور مترجم کی تعریف ان خوب صورت الفاظ میں کی ہے:

کسی ترجمہ نگار کی یہ بہت بڑی کامیابی ہوتی ہے کہ وہ اصل اور ترجمے میں فاصلہ نہ پیدا ہونے دے۔ میاں ساجد علی اس سلسلے میں حیرت انگیز طور پر کامیاب ہوئے ہیں۔[۸]

اقبال کی ڈائری اقبال کے فکر و فلسفہ کی شرح، توضیح و توسیع کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس کا ترجمہ میاں ساجد علی نے کیا تو ڈاکٹر عبدالخالق سابق صدر پاکستان فلسفہ کانگرس و سابق صدر شعبہ فلسفہ پنجاب یونی ورسٹی لاہور نے اس ترجمے **منتشر خیالاتِ اقبال** کا دیباچہ لکھتے ہوئے کہا کہ:

Stray Reflections کے دو ایک ترجمے پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں جو یقیناً مترجم کے پیش نظر رہے ہوں گے۔ میرے لیے یہ بات اطمنان کا باعث ہے کہ زیر نظر کتاب میں میاں ساجد علی نے اچھے ترجمے کی شرائط اور معیارات کو ملحوظ رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔[۹]

میاں ساجد علی نے کوئی طویل مقدمہ یا دیباچہ تو نہیں لکھا مگر مدلل "پیش لفظ" کے عنوان سے چند صفحات قلم بند کیے ہیں۔ ان صفحات میں مترجم نے ثابت کیا ہے کہ جس دوران میں اقبال فلسفہ پڑھاتے تھے، اس دوران میں یہ خیالات اپنی بیاض میں قلم بند بھی کرتے رہے اور جیسے ہی ملازمت ترک کی ڈائری لکھنا بھی بند کر دی۔ ڈائری میں موجود خیالات اقبال کی فلسفیانہ سوچ کا مظہر ہیں۔ مترجم نے اپنے ترجمے کے حوالے سے لکھا ہے:

ممکن ہے کہ اس ترجمے میں کوئی کمی رہ گئی ہو کیوں کہ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ میں نے ان خیالات کا حق سو فیصد ادا کر دیا ہے لیکن میری اس کوشش کو ماہرین اقبال اور فلسفہ کا مطالعہ کرنے والے بے حد پسند فرمائیں گے۔[۱۰]

میاں ساجد علی نے بیاض کا تعارفی نوٹ وہی شامل کیا ہے جس کا ترجمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے کیا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے اس بیاض کا تفصیلی نوٹ لکھا ہے۔ میاں ساجد علی نے اس تعارف میں خوب صورت حواشی شامل کر کے ترجمے کی افادیت میں اضافہ کیا ہے۔

پروفیسر عبدالحق کا ترجمہ "بکھرے خیالات"

پروفیسر عبدالحق کا ترجمہ "بکھرے خیالات" میاں ساجد علی کی نظر سے نہ گزر سکا۔ اس کے کئی ایڈیشن

۸۔ اقبال، **منتشر خیالات اقبال**، مرتبہ، ڈاکٹر جاوید اقبال، مترجم، میاں ساجد علی (جہلم: بک کارنر، ۲۰۱۶ء)، ۱۰۔

۹۔ نفس مصدر، ۱۳۔

۱۰۔ نفس مصدر، ۱۷۔

منظر عام پر آچکے ہیں۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں دوسرا ۱۹۸۵ء میں اور تیسرا ایڈیشن اضافوں کے ساتھ ۲۰۱۵ء میں منظر عام پر آیا۔ اس میں اقبال کے (۱۳۶) افکار شامل ہیں۔ اس پر مترجم پروفیسر عبدالحق، پروفیسر ایمریطس، شعبہ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی نے واضح طور پر لکھا ہے: "نئے دریافت شدہ فکر پاروں کے اضافے کے ساتھ۔"

اشاعت کے لیے اس کتاب پر اقبال اکادمی (ہند) نئی دہلی کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ یہ کتاب مترجم نے "سلطان احمد" کے نام کی ہے۔ ان کے لیے اقبال کا ایک مصرع لکھا ہے؛ پورا شعر یہ ہے:

خاکی ہے مگر اس کے انداز ہیں افلاکی
رومی ہے نہ شامی ہے، کاشی نہ سمر قندی[۱۱]

ڈاکٹر سید ظفر محمود صدر اقبال اکیڈمی انڈیا، نئی دہلی نے تین صفحات کا مقدمہ لکھا ہے۔ ڈاکٹر سید ظفر محمود نے اقبال کو ستائشی کلمات سے نوازا اور یہ واضح کیا کہ خدا جس انسان کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے اب اس انسان کی ذمے داری ہے کہ وہ بھی خدا کا پیغام اور رحمت و برکت کا سلسلہ دوسروں تک پہنچائے۔ اقبال نے یہ کام سرانجام دیا اور ڈاکٹر سید ظفر محمود نے اسے ایک خاص انداز سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اقبال نے زکوۃ، خیرات اور صدقات کی تقسیم ہر ایک کے لیے وصول کرنا درست قرار نہیں دیا۔ رقم تقسیم کرنے والے نہ صرف حق داروں میں بلکہ معاشرے میں غربت کا معنوی لبادہ اوڑھنے والوں میں بھی بانٹ دیتے ہیں ضرورت مند تو ہاتھ نہیں پھیلاتے مگر فقیر صورت طبقہ اس سے زبردستی فائدہ اٹھاتا ہے۔ ڈاکٹر سید ظفر محمود نے قرآن کا واضح حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ رب العزت صاف لفظوں میں ناداروں، یتیموں اور استطاعت نہ رکھنے والوں کو اس کا حق دار ٹھہرا رہے ہیں۔

رب کائنات کا نظام دولت کی گردش چاہتا ہے۔ اسے چند لوگوں کے ہاتھوں میں مقید نہیں کرتا۔ معاشرے کی بھلائی اس کا ماحصل ہے۔ اقبال نے اس معاشی پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ رب العزت کے نظام کے تحت سال میں ایک مرتبہ تمام دولت میں سے اڑھائی فی صد راہ خدا میں صرف کرنے کا حکم سورۂ توبہ میں آیت ساٹھ (۶۰) میں دیا ہے۔ اس کو آٹھ جگہ خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد صدقے کا تعین کرتے ہوئے ڈاکٹر سید ظفر محمود لکھتے ہیں:

اس کے علاوہ جو رقم انسان کے پاس بچتی ہے اس میں سے اس کو خود طے کرنا ہے کہ وہ کتنا صدقہ کرنا چاہتا ہے۔[۱۲]

۱۱۔ اقبال، **کلیات اقبال**، اردو، بال جبریل (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء)، ۳۹۷۔

۱۲۔ اقبال، **بکھرے خیالات**، مرتبہ، ڈاکٹر جاوید اقبال، مترجم، ڈاکٹر عبدالحق، مقدمہ، ڈاکٹر سید ظفر محمود (نئی دہلی: آفسٹ پرنٹر دریا گنج، ۲۰۱۵ء)، ۸۔

اللہ کے ہاں بلند مقام حاصل کرنے کے لیے ڈاکٹر سید ظفر محمود نے خاص انداز میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ ضرورت سے زائد باقی دولت کے صدقہ اور خیرات کرنے سے اللہ کے ہاں بلند مقام حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اقبال نے ضبط نفس کے جو اجزا بیان کیے تھے مقدمہ نویس نے بہت خوب صورتی سے ان پر روشنی ڈالی ہے اور جس معاشرے میں ان اجزا کی فراوانی ہوگی وہ معاشرہ صحت مند قوم کی تشکیل کرے گا۔ ڈاکٹر سید ظفر محمود نے اقبال کے تدریس معاشرت کے سلسلے کو اپنے مقدمے کے بیان کا عنوان بنایا ہے۔ جو شخص سماجی معیشت کے حوالے سے نیک کام میں نیک دلی اور جذبہ خیر کے تحت کام انجام دے گا وہ طمانیت کی دولت سے مالا مال ہو جائے گا۔ شرط یہ ہے کہ اسے معاشرے میں عزت دی جائے اس کی صلاحیتوں کو معاشرے میں سراہا جائے اور اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس طرح وہ زیادہ رغبت سے اپنا کام سرانجام دے گا۔

اقبال کے نزدیک تکلیف میں صبر کی دولت سے مالا مال ہونا انسان پر راز زندگی کو آشکار کر دیتا ہے۔ اقبال کو اس بات پر یقین کامل تھا کہ تکلیف کا احساس جس قدر بھی شدت سے ہو، صبر و تحمل ہی ایسا عطیہ ہے جو انسان کو پوری زندگی کے مفہوم سے روشناس کر دیتا ہے۔ وہ لوگ جو اپنی جنت اپنے خون جگر میں پنہاں نہیں پاتے وہ اپنی کم زوری کو خدا کا لکھا سمجھ کر ہمت ہار جاتے ہیں؛ جب کہ شاہین کی طرح پرواز بلند رکھنے والے، حوصلہ مند، طاقت ور افراد مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔ ایسا شخص بد نصیبی کو بھی شکست دیتا ہے۔ اقبال اپنی کشتِ ویراں سے کبھی ناامید نہیں رہے بس اس کے نم ہونے کے منتظر رہتے تھے۔ اقبال کو یقین تھا کہ ہمارے نوجوان زرخیز مٹی کی طرح ہیں۔ ان نوجوانوں کو افکار اقبال کے مطالعے کی طرف راغب کرنا ضروری ہے۔ اس لیے مقدمہ نویس نے لکھا ہے:

> اقبال کی ڈائری میں درج ان کے بکھرے خیالات میں سے زیادہ تر ایسے ہیں کہ ان پر الگ مضمون لکھے جانے چاہییں اور وہ غور خوص اور مباحثے کے موضوع بنائے جائیں۔ (۱۳)

ڈاکٹر سید ظفر محمود نے پروفیسر عبد الحق کی ان تھک کاوشوں اور ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ ڈائری کا اردو ترجمہ کر کے بڑی خدمت کی ہے۔ بہ طور نائب صدر اقبال اکیڈمی انڈیا اور مدیرِ مجلہ **میرا پیام** آپ نے پروفیسر عبد الحق کا شکریہ ادا کیا اور دونوں جہانوں میں ترقی کے لیے دعا دی ہے۔

مترجم نے حرف آغاز کے طور پر نئے ایڈیشن کے لیے چند سطور قلم بند کی ہیں۔ ان میں پروفیسر عبد الحق نے ڈائری کی اشاعت پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ اس نئی اشاعت میں نیا دریافت شدہ ایڈیشن، اضافی متن اور

۱۳۔ نفسِ مصدر، ۱۰۔

ان کے تراجم بھی شامل کیے گئے ہیں۔ اس ڈائری کے مندرجات منتشر تحریروں میں ۱۹۱۰ء کی تحریروں میں شامل تھے۔ انھیں ڈاکٹر جاوید اقبال نے ۱۹۶۱ء میں مرتب کیا تھا۔ اس کے بعد اس کے کئی ایڈیشن سامنے آئے۔ ”خوشامد“ کے بعد اس کے جو اضافے ہیں وہ سب کے سب نئے ہیں۔ *Stray Reflections* کی آخری اشاعت میں بھی کل ایک سو چھتیس اندراجات کا ترجمہ ہے۔ سب اس بات سے بہ خوبی آگاہ ہیں کہ اقبال کی بیاض اقبال کے فکر و فلسفہ، اقبال کے اسالیب اور اقبال کے مذہب کی تفہیم کو جاننے کے لیے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ پروفیسر عبدالحق نے اس بیاض کو مرد قلندر کا کشکول قرار دیا ہے جس میں بتیس سال (۳۲) کے نوجوان شاعر کے مختلف قسم کے فکر پارے محفوظ ہیں۔ اقبال کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ۱۹۰۸ء میں پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ ۱۹۰۴ء میں ان کی پہلی کتاب **علم الاقتصاد** اردو زبان میں شائع ہو چکی تھی۔ اس طرح اگر تینوں تحریروں کو زمانی ترتیب دیں تو ڈائری کو اقبال کی تیسری باقاعدہ تصنیف کہہ سکتے ہیں۔

پروفیسر عبدالحق نے ترجمے کے ساتھ انگریزی متن کو بھی شامل کیا ہے۔ اس طرح ترجمے میں جدت پیدا کی گئی ہے۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اپنے ترجمے میں انگریزی متن شامل نہیں کیا اور میاں ساجد علی نے انگریزی متن کا اہتمام اس انداز سے نہیں کیا جس خاص انداز سے پروفیسر عبدالحق نے کیا ہے۔ جدت کے ساتھ ساتھ استناد کا معیار بھی بلند ہے۔ اس سے قبل نہ تو ایسی کوئی کوشش کی گئی اور نہ ہی ایسا کرنے کا خیال کسی کے دل میں آیا۔

بکھرے خیالات کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ مترجم خود معترف ہیں کہ وہ دیدہ زیب نہ تھا۔ وہ انگریزی متن سے بھی خالی تھا۔ مگر مترجم اس سے مطمئن تھے اور اسے پسند بھی کیا گیا۔ اقبالیات کے ماہرین نے اسے حوالے کے طور پر استعمال کرنے میں فخر محسوس کیا؛ کیوں کہ ترجمے کا معیار بہر حال اچھا تھا۔ پہلا ایڈیشن جلد ہی ختم ہو گیا تو دوسرے ایڈیشن کی ضرورت سامنے آئی۔ ۱۹۸۵ء میں اس کی دوسری اشاعت تاج کمپنی کی کاوشوں سے سامنے آئی۔ پھر تیسری اشاعت بھی ضروری ہو گئی۔

پروفیسر عبدالحق نے واضح کیا ہے کہ اقبال کی ابتدائی تینوں کتب نثر کی ہیں۔ اقبال جسے شاعر مشرق کہتے ہیں، اس کا پیغام نثر میں، ابتدا ہی میں ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ جو مندرجات اقبال کے فکر و شعر کے مطالعے میں ملزوم ہیں اور جو گہری معنویت معمور ہے، اس کی جھلک اقبال کی نثر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ **علم الاقتصاد** ہو، **ایران میں فلسفہ مابعد الطبیعات کا ارتقا**، یا **بکھرے خیالات** اقبال کی ابتدائی نثر کی کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ابتدائی مضامین ہیں اور کچھ ابتدائی خطوط جن سے اقبال کی نثر اور نظم کے یکساں اشارے ملتے ہیں۔ **بکھرے خیالات** کا

ترجمہ دیکھیں تو بہت سے مفکرین کے نام ہمارے سامنے آئیں گے جو اقبال کے افکار میں اور شاعری میں ہماری نظر سے گزریں گے۔

پروفیسر عبد الحق نے ترجمے میں پہلے انگریزی متن شامل کیا ہے پھر اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، اس طرح انگریزی اور اردو کو یک جا کر کے فکر اقبال اور اقبالیات کو ہمارے لیے آسان بنا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے تخلیقی ادب میں اقبال کو سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ اقبال کا حرکی نظام، ان کے فلسفے کی جیتی جاگتی سچائی ہے۔ اسے اپنے عمل کی رو سے ظاہر اور حقیقت کا مضمر کہا جاسکتا ہے۔ یہی عمل و حرکت اقبال کے فلسفے کی خاص پہچان بن گیا۔ اقبال کا اجتہادی نقطۂ نظر بھی اقبال کے افکار سے ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ شعر اور فلسفے کا حسین امتزاج دنیا کے ادب میں کام یاب ہے؛ یہی وجہ ہے کہ پروفیسر عبد الحق نے **بکھرے خیالات** میں ترجمے پر خاص توجہ دی ہے۔ پروفیسر عبد الحق نے ابتدائیے میں اقبال کے لیے تعریفی کلمات ادا کیے ہیں، اقبال کی عظمت اور برتری کا اظہار کیا ہے اور اقبال پر ہونے والی تنقید کو بھی بے اثر قرار دیا ہے۔ اسے اقبال کی آفاقی شہرت کی دلیل قرار دیا ہے۔ ابتدائیہ لکھنے سے مقصد یہ ہے کہ ابتدا میں مطالعہ کرنے والا یہ اصول ذہن نشین کرلے کہ تحقیق کسی کے حوالے سے کی جاسکتی ہے۔ کسی کی فکر کے حوالے سے کی جاسکتی ہے اور کسی پر بھی کی جاسکتی ہے۔ پروفیسر عبد الحق ابتدائیے میں لکھتے ہیں:

> یہ بات بڑی جرأت کا تقاضا کرتی ہے کہ برصغیر کے دانائے راز کے تصورات کو حرف آخر مان لیں اور تنقید و تبصرہ سے دست بردار ہو جائیں۔ اقبال کے مطالعہ و مشاہدہ، ادراک، وجدان میں وحدہ لاشریک کے علاوہ کوئی بھی شے حرف آخر نہیں۔[۱۴]

اقبالیات کے مطالعے سے ہم کہیں کہیں اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شاید اقبال فن پر خاطر خواہ توجہ نہیں رکھتے۔ ان کی بعض نثری تحریروں سے کہیں کہیں ایسا محسوس بھی ہوتا ہے کہ وہ شاعری کے فن پر کم دل چسپی کا اظہار کرتے ہیں اور صرف چند خاص مقاصد ہیں جن کے لیے انھوں نے اس فن کو استعمال کیا ہے۔ اقبال کی شاعری تو ایک طرف رہی اقبال نے تو اپنی نثر کو بھی خاص مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہی خاص فکر و فلسفہ **بکھرے خیالات** میں کار فرما ہے۔ یہاں کہیں تو بات فن کے حوالے سے کی گئی ہے کہیں مذہب کے حوالے سے موضوع سامنے آجاتا ہے۔ کہیں کوئی اخلاقی مسئلہ آن پہنچتا ہے۔ کہیں دہریت، کہیں بت پرستی، کہیں انسانی عقل تو کہیں مکالمہ۔ بے رحم انسانیت ہے تو کہیں اسلام کا تصور اِلٰہ اور پھر ارسطو، آرنلڈ، افلاطون، غالب، محمد ﷺ، گوتم بدھ، نہ جانے کتنے ہی لوگوں کے نام آتے ہیں۔ ایسی تصنیف کا ترجمہ آسان کام نہیں۔ بیاض کے بارے میں پروفیسر

۱۴۔ نفسِ مصدر، ابتدائیہ، ۱۳۔

عبدالحق کہتے ہیں:

مسلم مفکرین اور دانشوروں میں مولانا رومی کے بعد اقبال ہی دوسرے صاحب فکر و نظر ہیں، جنھوں نے صحف سماوی کی آخری برگزیدہ کتاب کے اثر و نفوذ کو فکر و فن کے پیکر میں سمو دیا ہے۔ (۱۵)

اقبال کے یہاں اگر فلسفے کی تعلیم ہے تو وہ انتہائی آسان زبان میں ہے۔ پروفیسر عبدالحق نے ترجمے میں جو باتیں لکھی ہیں وہ بھی قاری کے لیے سادہ اور آسان بنا کر پیش کی ہیں۔ ایسا نہیں کہ انھیں الجھا کر پیش کیا ہے یا پھر فلسفے کی گتھیوں میں پھنسا دیا ہے بلکہ قاری کے لیے دل کش بنا دیا ہے۔ اس دل کشی میں اہم ترین حصہ اردو ترجمے کے ساتھ انگریزی متن کا ہم راہ ہونا ہے۔

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی سے شاہ ولی اللہ اور سرسید احمد خان تک علما و مفکرین کی ایک طویل فہرست ہے جو عوام کو علم و فضل کے نور سے منور کرنے کے لیے کوشاں رہی۔ فکر کا ایک سیل رواں ہے۔ اس نے اقبال کے روح و نظر کو بھی تازگی بخشی۔ پھر اقبال نے معاشرے کے لیے جو کچھ تحریر کیا وہ **بکھرے خیالات** کی شکل میں محفوظ کر لیا۔ ان پر غور کریں تو معاشرے کے لیے استحکام اور اقتدار کا انحصار ان چیزوں پر ہی پوشیدہ نظر آئے گا جو "بکھرے خیالات" میں نظر آتی ہیں۔

اقبال کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انھوں نے بہت سی تہذیبوں اور ثقافتوں کا مطالعہ کیا تھا۔ مشرقی ادبیات میں اقبال ہی ایسے مفکر تھے جو عالم گیر شہرت کے حامل تھے اور مسائل پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ پروفیسر عبدالحق نے اقبال کی شاعری کو، شہرت کو، اور اثر آفرینی کو ہمیشہ کے لیے پوری دنیا تک شہرت کی حامل اور انفرادی اور خاص انداز کی فکر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اسلوب خاص انداز کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ اقبال نے مطالعہ بھی اس مخصوص اسلوب سے ہی کیا ہے۔ اقبال فلسفے کو ایک متحرک چیز قرار دیتے تھے اور حقائق کو تصور کر کے حقیقت ڈھونڈنے کے لیے آگے کی طرف بڑھتے تھے۔ پروفیسر عبدالحق کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اقبال کی فکر ارتقا پذیر رہی۔ اس مرحلے میں اقبال کا تجسس و تبصرہ، تنقید اور تفکر، اقبال کا ذہنی پس منظر اور ذہنی تبدیلی ہر چیز شامل ہے۔

اقبال کی ڈائری کا جو ترجمہ **بکھرے خیالات** کے نام سے پروفیسر عبدالحق نے کیا ہے، یہ ایک محنت طلب کام تھا اور توجہ سے مطالعے کا متقاضی ہے۔ پروفیسر عبدالحق نے اقبال کی ادبی مہمات کو **بکھرے خیالات** میں ترجمے کی شکل میں پیش کیا اور آسانی کے لیے انگریزی متن بھی۔ اس طرح اقبال کی ڈائری کی مہم اور بھی زیادہ باوزن قرار پائی۔ اقبال کا انداز استفہامی قرار پایا اور ڈائری کا انداز بھی یہی۔ پروفیسر عبدالحق کہتے ہیں:

۱۵۔ نفس مصدر، ۱۴۔

یہ استفہامی انداز نظر شاعری کے ابتدائی دور سے شروع ہوتا ہے اور پایان عمر تک باقی رہا، اس سبب سے ان کا نظام فکر بہتر سے بہتر صورت پذیری میں مصروف رہا۔ میرا خیال ہے کہ اگر انھیں کچھ اور مہلت اور فراغت ملتی تو ان کے فکری تصورات اور بھی زیادہ منظم اور مربوط صورت میں سامنے آتے۔ (۱۶)

اس دور میں اقبال کی فکر خودی سے بے خودی تک پرواز کر گئی اور حب الوطنی کی آفاقی قوتوں کو چھو گئی۔ اقبال کی فکر میں انقلابی اسلوب فکر کار فرما ہو گئی۔ اقبال کی سرگذشت کا یہ پہلو نہایت قابل غور اور فکر انگیز ہے۔ اقبال نے خود بھی اسے شدت سے محسوس کیا ہے۔ اقبال کے خطوط میں اکثر اس کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ سوانح، خطوط، بکھرے خیالات اور مجموعی کلام سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال زیادہ تر مطالعہ میں مگن رہتے تھے۔ اس کے باوجود ملکی معاملات میں گہری دل چسپی لیتے تھے۔ اقبال نے دیگر علما پر تنقید کی مگر پھر وہ اس تنقید سے کنارہ کش بھی ہو گئے۔ فکر اقبال میں مشرق و مغرب کے مکتبہ ہاے فکر کا حسین امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ مگر انقلاب صرف اس طرح نہیں آتے۔ اس کے لیے تو کئی سال کی ریاضت درکار ہوتی ہے۔ مطالعہ کا یہ امتزاج فکر اقبال میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اس امتزاج کی گہری پرچھائیاں اس بیاض میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اقبال کا ذہن بالکل مختلف انداز کا تھا۔ وہ کبھی کل پر توجہ دیتے تھے اور جذبات پر کبھی کوئی تاثر نظر انداز بھی کر دیتے تھے۔ یہ انداز اختیار کرنے سے عام طور پر پیچیدگی بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ اس لیے ہمیں خیال رکھنا چاہیے کہ جب بھی **بکھرے خیالات** کا مطالعہ مقصود ہو، اس پہلو کو ضرور ذہن میں رکھا جائے۔ اقبال کے اشعار کو الہام سمجھ کر ان کا مطالعہ نہ کیا جائے بلکہ سلسلۂ فکر انسانی کی ایک کڑی مان کر نقد و انتقاد کے میزان پر پرکھتے ہوئے مطالعہ کیا جائے۔

اقبال بھی دوسروں سے توقع رکھتے تھے کہ ایسا انداز ہی اختیار کیا جائے۔ فکر اقبال کے مربوط مطالعے کے لیے ان کی تمام تخلیقات پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ چند ناقدین نے منظومات پر اکتفا کیا تو بعض نے غزلیات پر اور کچھ نے خطوط پر اور کچھ نے دیگر نثر پر۔ گویا ہر ایک کی اپنی اپنی راے ہے۔ پروفیسر عبد الحق کہتے ہیں:

فکر اقبال کی اساس کو استوار کرنے کے لیے ان تمام گم شدہ کڑیوں کو مربوط کرنے کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ محسوس کی جا رہی ہے۔ اس لیے منظومات کے ساتھ ساتھ نثری تحریروں کا مطالعہ بھی اتنا ہی اہم ہے۔ اقبال صرف شاعر ہی تو نہیں ہیں۔ (۱۷)

اقبال کی فکر میں جو تبدیلی رونما ہوئی یورپ سے واپسی کے بعد اس تبدیلی کا اثر بھی واضح طور پر نظر آنے

۱۶۔ نفسِ مصدر، ۱۵۔

۱۷۔ نفسِ مصدر، ۱۷۔

لگا۔ اقبال نے علاقائی یا جغرافیائی نظریہ قومیت کو مذہب کا کفن قرار دیا اور مغرب کی فسوں کاری کا بت پاش پاش کر دیا۔ نظموں میں اقبال کا لب و لہجہ انتہائی سخت ہے۔ انسان جہاں پیدا ہوتا ہے وہاں پرورش بھی پاتا ہے اور زندگی بھی گزارتا ہے اور پھر وہاں کی سرزمین سے اسے قدرتی طور پر محبت بھی ہوتی ہے۔ اس سرزمین کی فلاح و بہبود کے لیے دن رات محنت بھی کرتا ہے۔ دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے بچنے کے لیے مشکلات کا سامنا بھی کرتا ہے اور اپنا خون بھی بہاتا ہے۔ وہ اپنے وطن کی حفاظت کرتا ہے، اپنے وطن میں رہنے والوں کی حفاظت کرتا ہے اور اقبال کے نزدیک ایسی وطنیت کا مفہوم کہیں بھی قابل تنقید نہیں ہے۔ اہل یورپ کا نقطۂ نظر اس حوالے سے کچھ مختلف ہے۔ یورپ والے وطن کو قومی تعمیر کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تمام تر وفاداریوں کا مرکز وطن ہے۔ مغرب والوں کے نزدیک اگر وطن اور مذہب میں کشمکش ہو جائے تو حق و باطل کے معرکے میں اہلِ مغرب مذہب کو پس پشت ڈال دیں گے اور وطن کو ترجیح دیں گے۔ اہل مغرب نے ان باتوں کے پیش نظر مذہب اور سیاست کو بھی الگ الگ چیزیں بنا دیا ہے۔ مسلمانو کے نزدیک اسلام ایک مکمل ضابطہ ٔ حیات ہے۔ اس میں سیاست اور مذہب کی تفریق ہونی ہی نہیں چاہیے۔ لادینیت کی ہوا مغرب کے نظریۂ وطنیت سے چلی، اس سے انسانی زندگی کے بلند مقاصد کا خاتمہ ہو گیا۔ ہر چیز سمٹ کر چھوٹا چھوٹا ایک ذرہ بن گئی اور عرف عام میں وہ وطن کہلانے لگی۔ اقبال کسی بھی طرح اس سے متفق نہ تھے۔ اقبال یورپ کی پوری سیاست کو مکر، فریب، دغابازی اور دھوکہ بازی قرار دیتے تھے۔ یورپ کی سیاست کو ڈپلومیسی کہتے تھے اور اس کے خلاف شدید احتجاج کرتے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالحق نے مغرب کے اس انداز کا ذکر کھلے الفاظ میں کیا جو اقبال نے احتجاج کے طور پر اپنایا اور مغربی قوموں نے استعمال کر کے غریب اور چھوٹی قوموں کو آپس میں لڑوایا۔ **بکھرے خیالات** کا ایک موضوع یہی علاقائی نظریہ قومیت ہے جسے مختلف عنوانات سے بیان کیا گیا ہے اور اس کی تفسیر پیش کی گئی ہے۔ پروفیسر عبدالحق کہتے ہیں:

> مختلف قوموں کی تہذیبی واخلاقی، مذہبی و سیاسی، تاریخی و فکری افکار پر جابجا خیال ملتا ہے اور ان اقدار سے مرتب ہونے والے شعور و کردار پر اقبال نے گفت گو کی ہے۔[۱۸]

اقبال ہندوستان کے مسائل پر خاص نگاہ رکھتے تھے۔ پروفیسر عبدالحق نے ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کی کتاب **اقبال کے آخری دو سال** اور اس ڈائری **بکھرے خیالات** کو ملتا جلتا قرار دیا ہے۔ اقبال نے جب ڈائری مکمل کی تو اس کے بعد خودی کا فلسفہ وجود میں آیا اور خودی کے تین خاص مرحلے سامنے آئے۔ اقبال کو شروع ہی سے اسلام اور مسلمانوں کے مسائل سے گہری دل چسپی تھی۔ پروفیسر عبدالحق لکھتے ہیں:

۱۸۔ نفس مصدر، ۱۹۔

اقبال اسلام کو دنیائے انسانی کے لیے سب سے اعلیٰ و ارفع دستور حیات تسلیم کرتے رہے ہیں۔ وہ اسلام کو صرف مذہب نہیں سمجھتے، بلکہ ایک انقلاب انگیز طریق زندگی مانتے ہیں۔[۱۹]

اقبال کا اسلام سے تعلق جذباتی ہی نہیں بلکہ فکر و نظر کے گہرے ترین مطالعے کا نتیجہ ہے۔ اس بیاض میں حضرت محمد ﷺ کی ذات اور ان کے ارشادات ان کی فکر اور ان کا فلسفہ ان سب چیزوں کا معیار اور منہاج پیش کیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی شخصیت اور سیرت انسانیت کا مکمل ترین نمونہ ہے۔ نبی ﷺ کے ارشادات فکر انسانی کی معراج ہیں۔ **بکھرے خیالات** میں دنیا کی چند دیگر ہستیوں کے بارے میں بھی گراں قدر، مفکرانہ اور عالمانہ گفت گو نظر آتی ہے۔

اقبال نے پہلی بار اپنی اس تصنیف **بکھرے خیالات** میں نیتشے اور اس کے افکار کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ عطیہ فیضی کے نام ایک خط میں نیتشے کا ذکر نظر آتا ہے۔ اس دور کے اقبال کو سمجھنے کے لیے پروفیسر عبد الحق نے چار مآخذ بتائے ہیں۔ پہلا اقبال کی سوانح عمری جس میں یورپ سے واپسی کے بعد تلاش روزگار کے مسائل کا ذکر ہے۔ دوسرا مآخذ شاعری ہے۔ تیسرا مآخذ خطوط ہیں خصوصاً عطیہ فیضی کے نام لکھے گئے خطوط۔ ان خطوط میں اقبال کی ذہنی پریشانی کا عجیب ہی خاکہ نظر آتا ہے اور اقبال کی عبرت ناک حالت پر رحم آتا ہے۔ مگر چوتھے مآخذ میں اقبال کے فکر و فلسفہ کا معیار آسمان کی بلندیوں کو چھوتا دکھائی دیتا ہے۔ اقبال کی یہ خود نوشت بہت ہی مختصر دور کی فکری سرگذشت ہے مگر غور کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ فکر اقبال کے ارتقائی اسلوب کی اصل تصویر اسی میں ملتی ہے۔ **بکھرے خیالات** میں کئی جگہ ایسے مقامات کا ذکر بھی آتا ہے جہاں اقبال نے اپنے تجربات کا خود اپنے حوالے سے ذکر کیا ہے اور خود پر بیتے حالات و واقعات کی مثالیں دی ہیں۔ اس میں ہیگل، گوئٹے، غالب، بیدل اور ورڈس ورتھ کے تحت حیرت انگیز انکشافات کے حوالہ جات ہیں۔ پروفیسر عبد الحق لکھتے ہیں:

> یہ ڈائری فن کے موضوع سے شروع ہوتی ہے۔ اس موضوع سے متعلق اقبال کی پوری گفت گو کا خلاصہ یہ ہے کہ فن انسانی تخلیق کا پاکیزہ ذریعہ اظہار ہے۔ اس کا درجہ مقدس و محترم ہے۔ اس کے اعلیٰ ترین مقاصد ہیں۔ یہ جزو پیغمبری ہے۔ صرف سامان تفریح یا ذریعہ انبساط نہیں۔ یہ زندگی کے گوناگوں حقائق کی ترجمانی اور مقاصد آفرینی سے عبارت ہے۔ اور معاشرہ کی فکری توانائی اس کے جذبہ و احساس اور تہذیبی اقدار کے لطیف ترین تصورات کو جمالیاتی پیکر میں ڈھالنا اس کا دوسرا مقصد ہے۔ اس مختصر گفت گو میں اقبال کے نظریہ فن کی ترقی یافتہ صورت بھی ان **بکھرے خیالات** میں مل جاتی ہے جس کی آخری صورت گری کی طرف اقبال نے **بال جبریل** میں معنی خیز اشارہ کیا ہے۔[۲۰]

۱۹۔ نفس مصدر، ۲۰۔

۲۰۔ نفس مصدر، ۲۴۔

پروفیسر عبدالحق نے **بال جبریل** کے جس شعر کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کچھ یوں ہے۔

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو ہے(۲۱)

اقبال کا مطالعہ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ فکر کے عمیق سمندر میں ڈوب جانا اور گہرہائے آب دار پالینا ان کی عادت تھی۔ اگر ہم **بکھرے خیالات** کا مطالعہ کریں تو ہماری اس سوچ کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔ اقبال کا ادبی نصب العین، مطالعے کی وسعت اور موضوعات کا تنوع یہ سب اقبال کی مفکرانہ سخن وری کی دلیل ہے۔ **بکھرے خیالات** میں اقبال کا ذہنی رویہ فکری ہے اور فلسفیانہ ہے۔ اس میں جذباتیت کا غلبہ نہیں، جب کہ اس دور میں لکھے گئے خطوط اور شاعری میں جذبے کا رجحان غالب ہے۔ گویا اقبال جذباتیت کے غلبے سے نکل چکے ہیں۔ اور تفکر کے ساتھ فلسفہ بھی ان کی سوچ پر اثر انداز ہو رہا ہے اور اقبال پر شاعرانہ کیفیت بھی طاری ہوتی ہے۔ پروفیسر عبدالحق لکھتے ہیں:

یادداشت میں ایک دو مقام پر اقبال نے نثری پیرایۂ اظہار میں شعر کے حسن و لطافت کو سمونے کی بھرپور کوشش کی ہے۔(۲۲)

اقبال نے اپنے ان بکھرے ہوئے خیالات کو چند ماہ میں قلم بند کیا۔ **بکھرے خیالات** کا مطالعہ کریں تو اس میں حرف و صوت کے ہزاروں پیکر آویزاں نظر آتے ہیں۔ اس میں "افراد و آثار اور "تلمیح و تصورات" کی دل آویز صورتیں فروزاں نظر آتی ہیں۔ **بکھرے خیالات** کے ترجمے میں علم و آگہی کی بے کراں دنیا آباد دکھائی دیتی ہے۔ مختلف شعبہ ہائے علم کے سینکڑوں موضوعات فکر اقبال کا عکس لیے دکھائی دیتے ہیں۔ ان افکار میں ہر دور کے تقاضے اور تعبیریں دکھائی دیتی ہیں۔ اس لیے بیاضِ اقبال کا توضیحی مطالعہ ناگزیر ہے۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞

۲۱۔ اقبال، **کلیات اقبال**، اردو، بال جبریل، غزلیات، حصہ دوم، غزل ۷، ۳، ۳۸۷۔
۲۲۔ اقبال، **بکھرے خیالات**، ابتدائیہ، ۲۹۔

List of Sources in Roman Script

- Hashimi, Rafi‘ al-Din. *Tasanif-i Iqbal ka Tahqiqi-o Taudihi Mutali‘ah*. Lahore: Iqbal Academy, 2001.
- Iqbal, Muhammad. *Bikhre Khayalat*, edited by Dr. Javaid Iqbal. Translated by Dr. ‘Abd al-Haqq. New Delhi: Offset Printer, 2015.
- Iqbal, Muhammad. *Kulliyat-i Iqbal*. Lahore: Iqbal Academy, 2004.
- Iqbal, Muhammad. *Kulliyat-i Makatib-i Iqbal*, edited by Sayyid Muzaffar Husain Barni. Delhi: Urdu Academy, 1993.
- Iqbal, Muhammad. *Muntashar Khayalat-i Iqbal*, edited by Dr. Javaid Iqbal. Translated by Miyan Sajid Ali. Jhelum: Book Corner, 2016.
- Iqbal, Muhammad. *Shudhrat-i Fikr-i Iqbal*, edited by Dr. Javaid Iqbal. Translated by Dr. Iftikhar Ahmad Siddiqi. Lahore: Majlis-i Taraqqi-i Adab, 1973.